مصنف: مفکرِ احرار چودھری افضل حقؒ　　انتخاب: طیب علی تگہ

کتاب: ''آزادیٔ ہند''

مذہب و اقتصاد

محبت اور رحم مذہب کی اساس و بنیاد ہیں۔ لیکن اہل مذہب صاحبانِ ثروت کے ہتھے چڑھ کر بے مہر اور بے رحم ہوگئے۔ اربابِ سیاست کے ہاتھ میں موم کی ناک ہوکر انسانیت کے مقدر میں پتھر پڑ گئے۔ دنیا میں اربابِ بست و کشاد نے جب غریبوں سے منہ موڑ لیا اور اہل مذہب نے اس بے رخی میں اقتدار اور ثروت کا ساتھ دیا۔ تو محنتی مزدور نے اپنی حالت بدلنے کے لیے کروٹ لی۔ دنیا میں اقتصادی ہلچل شروع ہوگئی۔ سرمایہ محنت سے ٹکرا گیا۔ اہل مذہب بھی سرمایہ داروں کے پلڑے میں تل کر مغضوب ہوگئے۔ عام آبادی کے مقابلہ میں امراء آٹے میں نمک تھے، چٹ ہوگئے۔ مذہب عام آبادی کا قانونِ اخلاق ہے اور محنت عام آدمی کا قانونِ اقتصاد۔ ان دو میں وجہ جنگ موجود نہیں۔ مگر جنگ جاری ہے۔ مذہب کیفیت ہے، اقتصاد کمیت ہے، کیف و کم میں نزاع کیوں ہے؟ اگر انسانی زندگی میں سرمایہ داری کو نظر انداز کر دیا جائے تو مذہب اور اقتصاد میں جنگ نہ رہنی چاہیے۔ مذہب افیون نہیں جو محنت سے باز رکھے۔ بلکہ وہ قوتِ فکر ہے جو ایک طرف تو قوائے عمل کو متحرک کرے اور دوسری طرف بے اطمینانی کو دور کرے۔ دل پر خوشی کے دروازے کھول دے۔ محض اقتصاد وہ ساز ہے جس میں آواز نہیں۔ ساز بغیر آواز کے کسی کیفیت کا حامل نہیں۔ اقتصادی ساز میں سوز پیدا کرنے کے لیے کیف آور مذہب کی ہم آہنگی ضروری ہے تا کہ انسانی زندگی کیف و سرور کی جلوہ گاہ ہو۔ مغرب اقتصادی مسائل میں منہمک ہے۔ مشرق مذہب کی کیفیتوں میں کھویا ہوا ہے۔ انسانیت دونوں سے بیزار ہے۔ وہ دونوں کا اتحادِ عملی چاہتی ہے۔ اقتصاد جسم ہے مذہب روح ہے۔ جسم اور روح کے اتحاد سے زندگی بنتی ہے۔ جوگی روح کی رفعت چاہتا ہے۔ بھوگی محنت میں بسر اوقات کرتا ہے۔ جب جوگی اور بھوگی ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر سفرِ زندگی اختیار کریں تب دنیا کا جہنم جنت میں بدل سکتا ہے۔ محض اقتصادیات خشک بنجر ہے۔ محض عبادت افیون کی طرح قوائے عملیہ کو بے حس کر کے قوموں کو سلا دیتی ہے۔ محض عبادت فرشتوں کا فعل ہے۔ محض محنت گدھے کا کام ہے۔ انسان عمل اور عبادت کا مجموعہ ہے اقتصاد اور مذہب دونوں کا منصفانہ، اتحادِ عمل زندگی کی کشتی کو ساحل مراد پر پہنچانے کا بہترین ضامن ہے۔

ایک انسان کو محنت کے مواقع اور پیٹ پالنے کے سامان ہی مہیا نہ ہونے چاہئیں۔ بلکہ اپنے ہم جنسوں سے مہر و محبت کے سلوک کا درس بھی دینا چاہیے۔ جس کے بغیر مزدور کی ظاہری خوشی میں قلب کا سکون ممکن نہ ہوگا۔ ہم جنسوں سے گہری محبت کا نام ہی مذہب ہے۔ محبت سے ہی طبیعت میں جنت کا اطمینان اور رنگینی پیدا ہوتی ہے۔ اقتصاد کی وہ عمارت جو رحم اور محبت کی بنیاد پر استوار نہ کی جائے۔ وہ ریت کی دیوار ثابت ہوگی۔

اسلام اخوت و مساوات کی اساس و بنیاد پر قائم ہے۔ برابری اور برادری، یہ دعویٰ نہ صرف عبادات تک محدود

ہے بلکہ اس کی سرحدات زندگی کے ہر شعبہ تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اسلام نسب کے فخر وغرور کا مخالف اور سرمایہ داری کے بر پا کردہ فتنوں کا دشمن ہے۔

اسلام نے دنیا میں دو حیثیتوں کو تسلیم کیا ہے۔ ایک کمزور دوسرا زور آور کمزور کی حیثیت کو غیر مرئی طور پر محفوظ کر دیا ہے۔ عورت مرد کے مقابلے میں کمزور ہے۔ عورت کا باپ کی وراثت میں بطور بیٹی کے حصہ، خاوند کی جائیداد میں شادی پر مَہر اور اس کی موت پر بخرہ مقرر کر کے عورت اور مرد میں اقتصادی مساوات قائم کر دی۔

اسی طرح فاتح اور مفتوح کے قوانین میں غلام کے حقوق خاندان کے افراد کے برابر کر دیئے اور ساتھ ہی غلام کو آزاد کرنے کو سب سے بڑی نیکی قرار دیا تا کہ اسیرانِ جنگ کے ساتھ کوئی بدسلوکی ممکن نہ ہو سکے۔ اگر کوئی شخص اپنے غلام کو تاج پہنا دے تو خدا خوش ہے لیکن کوئی بدسلوکی کرے تو تعزیر ہے۔

اب سرمایہ دار اور غریب کو لو۔ سرمایہ دار پر کتنی پابندیاں ہیں۔ زکوٰۃ آمدنی پر نہیں لی جاتی بلکہ اصل زر کے حساب سے وصول کی جاتی ہے۔ اس میں اڑھائی فیصد ایک سال غریب کے لیے کم از کم حصہ ہے۔ اگر غریب آبادی کی زندگی کے اسباب اس روپے سے پورے نہ ہوں تو حاکم کو کوئی امر مانع نہیں کہ وہ امراء کی جائیداد سے جو چاہے وصول کرے۔ سرمایہ دار کی حفاظت سب سے اہم فرض ہے۔ سود حرام اسی لیے ہوا کہ سرمایہ دار غریبوں کو غلامی کی زنجیروں میں نہ جکڑ سکے اور سوسائٹی میں امیر اور غریب کا قابلِ ذکر امتیاز پیدا نہ ہو۔

اسی اسلام کے اقتصادی اصولوں نے واضح کر دیا کہ زمین اور دولت خدا کی مِلک ہے۔ غریب کے لیے جو وصول کیا جاتا ہے۔ وہ رحم رعایت یا احسان نہیں بلکہ اس کا حق ہے۔ حاکم کا فرض ہے کہ وہ دیکھے کہ دنیا کی دولت کسی کے پاس ضرورت سے زیادہ اکٹھی نہ ہو۔ اگر ایسی صورت ہو تو وہ جائیداد کو بحق سرکار ضبط کرنے کا حق دار ہے۔ جب حضرت عمرؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ جیسے جلیل القدر صحابی کے اعتراض کی بھی دربارِ خلافت میں شنوائی نہ کی تو بہ دیگراں چہ رسد۔